جماعت احمدیہ کے قیام کی اصل غرض یہی ہے کہ اسلامی تعلیم سے لوگوں کو روشناس کرایا جائے۔

(فرمودہ 4 فروری 1955ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

"جماعت احمدیہ کے قیام کی اصل غرض اللہ تعالیٰ نے یہی بتائی ہے کہ اسلامی تعلیم سے لوگوں کو روشناس کرایا جائے۔ جو لوگ مسلمان کہلاتے ہیں اور اسلامی تعلیم کو بھول گئے ہیں اُن کو دوبارہ اسلامی تعلیم سے واقف کیا جائے۔ اور جو لوگ ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوئے اور انہیں اسلامی تعلیم کی خبر نہیں اُن کو اسلامی تعلیم سے باخبر کیا جائے۔ یہ کام بہت اہم ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ ایک روحانی کام ہے اور جب بھی دنیوی ترقیات کی رَو چلے گی اس کی کشش کم ہو جائے گی۔ مثلاً دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض دفعہ ایک رَو چلتی ہے جس کے نتیجہ میں لوگ باقی سب کاموں کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

لاہور میں کرکٹ کا میچ ہوا تو ہر ایک کو یہی شوق تھا کہ وہ وہاں جا کر کرکٹ کا میچ دیکھے حالانکہ سب لوگ اس کے شوقین نہیں ہوتے۔ بعض لوگ تاش کے شوقین ہوتے ہیں، بعض شطرنج کے شوقین ہوتے ہیں، بعض فٹ بال کے شوقین ہوتے ہیں، بعض ٹینس کے شوقین ہوتے ہیں،

بعض بیڈمنٹن کے شوقین ہوتے ہیں۔ لیکن اس وقت کرکٹ کا میچ ہوا تو سب لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور ہر شخص یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح وہ کرکٹ کا میچ دیکھ لے۔ اِسی طرح دنیا میں عیاشی اور دل کی رغبت کے کئی طرح کے سامان ہوتے ہیں۔ مثلاً سرکس ہوتا ہے، تھیئٹر ہوتا ہے، سینما ہوتا ہے، ناچ اور گانے ہوتے ہیں۔ کوئی شخص کسی کا شوقین ہوتا ہے اور کوئی کسی کا شوقین ہوتا ہے۔ لیکن جب کسی فن میں مہارت رکھنے والے آجاتے ہیں تو سب لوگ اُن کا فن دیکھنے کے لئے آجاتے ہیں۔ لیکن جو چیز پہلے ہی دن ان کی رغبت کا موجب ہو اس کی طرف وہ زیادہ جاتے ہیں۔

دین کی کشش درحقیقت بہت کم ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق روحانیت سے ہے اور روحانی چاشنی رکھنے والے لوگ بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ سکھوں کے زمانہ میں لُوٹ مار زیادہ تھی۔ کسی کے پاس کوئی چیز ہوتی تو دوسرے لوگ اس سے چھین لیتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ ایک مجلس میں یہ ذکر ہو رہا تھا کہ کیا کسی نے گندم کی روٹی کھائی ہے؟ اُن دنوں لوگ زیادہ تر باجرہ، جوار اور جَو کھاتے تھے گندم شاذ ہی ملتی تھی۔ اور اگر یہ پتا لگ جاتا کہ کسی کے پاس گندم ہے تو سکھ اُس سے چھین لیتے۔ تمام لوگوں نے کہا ہم نے تو گندم کی روٹی نہیں کھائی صرف ایک شخص نے کہا کہ گندم کی روٹی بڑی مزیدار ہوتی ہے دوسروں نے پوچھا کیا تم نے گندم کی روٹی کھائی ہے؟ اس نے کہا میں نے کھائی تو نہیں لیکن گندم کی روٹی ایک شخص کو کھاتے دیکھا ہے۔ کھانے والا چٹخارے لے لے کر کھاتا تھا جس سے میں نے سمجھا کہ گندم کی روٹی بڑی مزیدار ہوتی ہے۔ اب گندم کی روٹی ایک مادی چیز ہے۔ کھانے والا چٹخارے مارتا ہے تو دیکھنے والے کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسے اس کا مزہ آرہا ہے۔ پھر اس کے چہرہ کے آثار اور اتار چڑھاؤ سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ روٹی بڑی مزیدار ہے۔ پھر بعض لوگ پلاؤ کھانے کے شوقین ہوتے ہیں۔ پلاؤ مل جائے تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ لیکن روٹی سالن دیا جائے تو اُس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ لیکن نمازوں کے مزے کا کسی دوسرے کو پتا نہیں لگتا۔ کیونکہ ان کا مزہ اور لذت مخفی ہوتی ہے۔ جن مادی چیزوں کا مزہ مخفی نہیں ہوتا وہ ہر کوئی محسوس کر لیتا ہے۔

دوسرا فرق روحانی اور مادی چیزوں میں یہ ہے کہ روحانی مزہ انسان خود حاصل کرتا ہے

کسی دوسرے کو نہیں دے سکتا۔ لیکن مادی چیزوں کا مزہ دوسرے کو بھی چکھایا جا سکتا ہے۔ مثلاً اگر تم میرے پاس آؤ اور دریافت کرو کہ نماز کا کیا مزہ ہے؟ تو میں تمہیں اپنی تھوڑی سی نماز دے کر اس کا مزہ چکھا نہیں سکتا۔ لیکن اگر میرے پاس پلاؤ ہو اور کوئی شخص کہے کہ میں نے پلاؤ نہیں کھایا مجھے علم نہیں کہ اس کا کیا مزہ ہے تو میں اپنی رکابی اس کی طرف سرکا دوں گا۔ گویا مادی چیز کا مزہ چکھایا جا سکتا ہے۔ لیکن روحانی چیز کا مزہ چکھایا نہیں جا سکتا اس کے لئے ایک ذوق پیدا کرنا پڑتا ہے۔ اس کی مشق کرنی پڑتی ہے۔ انگریزی زبان میں ایک محاورہ ہے۔ ایکوائرڈ ٹیسٹ (Acquired Taste) ہوتا ہے۔ یعنی بعض چیزوں کا مزہ فوری طور پر آ جاتا ہے۔ اور بعض کا مزہ عادت کے بعد آتا ہے۔ چنانچہ جتنی نشہ کی چیزیں ہیں ان کا مزہ ایکوائرڈ ٹیسٹ ہے۔ یعنی طبعی مزہ نہیں بلکہ شروع میں زبان اور منہ کو بُری لگتی ہیں۔ مثلاً شراب ہے، سگریٹ ہے، سگار ہے، یہ سب ایکوائرڈ ٹیسٹ والی ہیں۔ اگر کوئی شخص زردہ نہیں کھاتا اور اسے زردہ کھلا دیا جائے تو اسے قے آ جائے گی۔ لیکن جنہیں زردہ کھانے کی عادت ہے۔ وہ قربانی کر کے بھی زردہ حاصل کریں گے۔ یا پٹھانوں میں نسوار لینے کی عادت ہے اگر کسی نے پہلے کبھی نسوار نہ لی ہو تو نسوار لینے سے اس کا سر چکرا جائے گا۔ سگریٹ اور سگار کی بھی یہی حالت ہے۔ اگر کسی کو نئے سرے سے سگریٹ یا سگار پلایا جائے تو اُس کے سر میں درد ہونے لگتی ہے۔ بلکہ بعض کو تو اس کے دھوئیں سے ہی تکلیف ہوتی ہے۔ اس لیے سگریٹ اور سگار پینے والے لوگ جب ایسے لوگوں کے پاس جاتے ہیں جو اس کے عادی نہیں ہوتے۔ تو پہلے اجازت لے لیتے ہیں اور پھر سگریٹ یا سگار پیتے ہیں۔ میرے پاس بھی ملاقات کے لئے جب ایسے لوگ آتے ہیں اور انہیں سگریٹ پینے کی حاجت محسوس ہو تو وہ کہتے ہیں کیا ہمیں سگریٹ پینے کی اجازت ہے؟ مثلاً اگر غیر احمدی یا عیسائی لوگ مجھے ملنے کے لئے آ جائیں تو وہ اکثر اجازت لیتے ہیں اور پھر سگریٹ پیتے ہیں۔ پچھلے دنوں ایک انگریز آیا۔ جب اسے سگریٹ پینے کی حاجت محسوس ہوئی تو اُس نے مجھ سے کہا کیا میں سگریٹ پی لوں؟ کیونکہ وہ لوگ جانتے ہیں کہ یہ ایکوائرڈ ٹیسٹ ہے اور صرف عادی لوگوں کو ہی آ سکتا ہے دوسروں کو نہیں۔ اِسی طرح نماز اور روزہ میں بھی ایکوائرڈ ٹیسٹ ہے اور یہ مزہ صرف ایک دفعہ نماز پڑھنے یا سجدہ رکوع کرنے سے نہیں آتا بلکہ مشق کرنے کے بعد آتا ہے۔ دل اور روح کی

وابستگی کے بعد آتا ہے پہلے نہیں۔ لیکن پلاؤ، زردہ اور دوسری مادی چیزوں کا مزہ عادت کے بعد نہیں ہوتا۔ ہزاروں میں سے کوئی ایسا شخص ملے گا جو کہے گا مجھے ان میں مزہ نہیں آتا۔ باقی لوگ ایسے ہی نکلیں گے جن سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ لیکن روحانی چیزوں کا مزہ مشق کے ساتھ آئے گا۔ پھر روحانی چیزوں کا مزہ دوسروں کو چکھایا نہیں جاسکتا۔ لیکن دنیوی چیزوں کا مزہ چکھایا جاسکتا ہے۔ گویا اگر کوئی شخص کہے کہ مجھے پتا نہیں کہ پلاؤ کا کیا مزہ ہے تو ہم اسے پلاؤ دے سکتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ مجھے نماز کے مزہ کا علم نہیں تو اسے ہم اپنی نماز کا کوئی حصہ نہیں دے سکتے۔ کیونکہ اس کے لئے ذاتی طور پر عادت ڈالنا اور توجہ کرنا ضروری ہے۔ پس جب کسی جماعت کو مادی ترقیات حاصل ہوتی ہیں تو روحانی مزے کم ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اول تو یہ مخفی ہوتے ہیں۔ پھر دوسروں کو چکھائے نہیں جاسکتے۔ اس لئے جب شان و شوکت کا زمانہ آتا ہے تو یہ صرف چند لوگوں میں محصور ہو کر رہ جاتے ہیں۔ باقی لوگ زمانہ کی رَو کے ساتھ بہہ جاتے ہیں۔

اِس وقت یہ دَور نہایت خطرناک طور پر آیا ہوا ہے۔ جتنی دولت اِس وقت موجود ہے اور جتنے زمین کے مخفی خزانوں کو اِس زمانہ میں ظاہر کیا گیا ہے پہلے نہیں کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ آخری زمانہ میں زمین اپنے سارے خزانے باہر پھینک دے گی۔ تمام زمین کھودی جائے گی اور جو کچھ اس کے اندر ہوگا باہر آ جائے گا[1]۔ اور پھر صرف زمین کی مخفی چیزوں کو ہی ظاہر نہیں کیا جائے گا بلکہ آسمان کا چھلکا بھی اُتارا جائے گا[2]۔ اور جو چیزیں فائدہ پہنچانے والی ہیں وہ جمع کر لی جائیں گی۔ مثلاً سورج کی گرمی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔ کاسمک ریز ہیں ان کے ذریعہ سورج کی شعاعوں سے کام لیا جاتا ہے۔ اب ان شعاعوں سے ایک خاص طاقت پیدا کی گئی ہے۔ جن سے کارخانوں کو چلایا جائے گا اور ہوائی جہازوں کو تباہ کیا جاسکے گا۔ پس جتنی دولت اور سامان اِس وقت مہیا کئے گئے ہیں پہلے نہیں تھے۔ ان کے مقابلہ میں روحانی مزہ ایک مخفی چیز ہے۔ ایک شخص کو بے شک روحانی تسکین اور خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل ہو رہا ہو وہ تسبیح کر رہا ہو اور اس میں لذت محسوس کر رہا ہو۔ لیکن دوسرے لوگوں کو اس کا علم حاصل نہیں ہوسکتا۔ اگر کسی نے انگور کا مزہ نہیں چکھا تو اُسے انگور کا مزہ چکھایا جاسکتا ہے۔ لیکن روحانی لذت سے کسی کو واقف نہیں

کیا جا سکتا۔ اس کے لئے دلائل دیئے جائیں گے اور کہا جائے گا تم مشق کرو پھر یہ لذت حاصل ہوگی۔ پس جو اتنا مشکل کام ہے اِس میں کامیابی کا طریق یہی ہے کہ لوگوں کو اس کی طرف مائل کیا جائے۔ اور انہیں مائل اِسی صورت میں کیا جا سکتا ہے کہ اُنہیں اِس سے آگاہ کیا جائے اور واقفیت بہم پہنچائی جائے۔ اس سے پہلے کوئی شخص ہمارے دلائل سننے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ مگر ہر ایک کو یہ دلائل سنانے کون جائے گا؟ ہم ربوہ میں بیٹھے ہیں اور ہماری زبان اردو ہے۔ چین ہم سے بہت دور ہے اور وہاں اردو زبان نہیں بولی جاتی۔ اب ہم اُس ملک کے رہنے والوں کو اپنے دلائل کس طرح سمجھا سکتے ہیں۔ انڈونیشیا ہم سے بہت دُور ہے۔ وہاں کے رہنے والے نہ ہماری زبان جانتے ہیں اور نہ ہم ان کی زبان جانتے ہیں۔ پھر ہم ربوہ میں بیٹھ کر انہیں اپنے دلائل کا قائل کس طرح کر سکتے ہیں۔ پھر جاپانی لوگ ہیں وہ ہم سے ہزاروں میل دُور ہیں اور جاپانی زبان ہمیں آتی نہیں ہماری زبان انہیں نہیں آتی پھر ہم انہیں اپنے دلائل کیسے سنا سکتے ہیں۔ لیکن لٹریچر کے ذریعہ یہ کام کیا جا سکتا ہے۔ ایک چینی یا ایک جاپانی کو حاصل کرنا زیادہ مشکل نہیں۔ ہم اس کے ذریعہ اپنے لٹریچر کا ترجمہ چینی یا جاپانی میں کرا کے لاکھوں کی تعداد میں لوگوں کو اپنے دلائل سنا سکتے ہیں۔ ہم خود تو وہاں نہیں جا سکتے لیکن ہماری کتابیں وہاں جا سکتی ہیں ہم خود تو ان کی زبان نہیں جانتے لیکن ہماری کتابوں کا ترجمہ چینی اور جاپانی میں کیا جا سکتا ہے۔ اور اسی طرح لٹریچر کو دوسرے لوگوں میں پھیلایا جا سکتا ہے۔ ماننا یا نہ ماننا اُن لوگوں کا کام ہے ہمارا نہیں۔ لیکن اِس ذریعہ سے دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور دروازہ کھلنے سے اس بات کا امکان ہو جاتا ہے کہ وہ ہمارے دلائل کو تسلیم کر لیں۔ اس لئے میں نے جلسہ سالانہ کے موقع پر تحریک کی تھی کہ جماعت میں لائبریریاں قائم کی جائیں اور ان میں ہر طرح کا لٹریچر رکھا جائے۔ پھر لٹریچر اس رنگ میں شائع کیا جائے کہ وہ زمانہ کی ضرورت کے مطابق ہو۔

قرآن کریم کو ہی دیکھ لو۔ یہ ہر زمانہ اور ہر ملک کے لوگوں کے لئے ہدایت کا موجب ہے۔ لیکن پہلے علماء نے جو تفاسیر لکھی ہیں وہ آجکل کے لوگوں کی تسلی کا موجب نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ آجکل جو سوالات پیش آ رہے ہیں وہ پہلے پیش نہیں آئے تھے۔ اس لئے پہلے علماء نے ان کو اپنی تفاسیر میں حل نہیں کیا۔ اب ہم تفسیر لکھتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں۔ ایسی تفسیر پہلوں نے نہیں لکھی۔

اِس کی وجہ یہی ہے کہ جو سوالات ہمارے سامنے پیش آ رہے ہیں وہ پہلوں کے سامنے پیش نہیں آئے۔ انہوں نے جو کام کیا ہے اپنے زمانہ کے حالات کے لحاظ سے کیا۔ اگر اُن کے سامنے موجودہ سوالات پیدا ہوتے تو وہ ان کے مطابق قرآنی تفاسیر لکھتے۔ لیکن چونکہ ان کے سامنے اس قسم کے حالات پیش نہیں آئے انہوں نے اس کے مطابق تفسیریں نہیں لکھیں۔ اس لئے ان کی تفاسیر سے اِس زمانہ میں فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ اب اگر پہلی کتابوں کو مدنظر رکھ کر مضامین لکھے جائیں تو وہ مفید نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے میں جماعت کو اِس طرف توجہ دلا رہا ہوں۔ ہمارے علماء اِس وقت تک پرانی لکیر کے فقیر ہیں۔ وہ زمانہ کے موجودہ حالات کو مدنظر نہیں رکھتے۔ پہلے طریق سے اگر لوگوں کو سمجھایا جائے تو وہ تمہاری بات نہیں سمجھیں گے۔ لیکن نئے طریق سے سمجھاؤ گے تو وہ نہ صرف تمہاری بات سمجھیں گے بلکہ اسے تسلیم کرنے کے لئے بھی تیار ہو جائیں گے۔

میں ایک دفعہ کراچی گیا تو مجھے ایک دوست ملے۔ انہوں نے بتایا کہ میں احمدیت کا مدّاح ہوں۔ لیکن اس بات سے مجھے تکلیف ہوتی ہے کہ آپ کی جماعت کے لوگ ہمیں کافر کہتے ہیں۔ میں نے کہا ہم تو کافر نہیں کہتے۔ میں تو انہیں روکتا ہوں کہ وہ کسی کو کافر نہ کہیں۔ چنانچہ پاس والے لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے میں نے کہا کہ کیا آپ لوگ انہیں کافر کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ اِس پر اُس دوست نے کہا یہ لوگ مجھے کافر نہیں کہتے لیکن دوسرے مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ اِس پر میں نے جماعت کے دوستوں سے دریافت کیا کہ کیا آپ مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں؟ وہ کہنے لگے ہم تو مسلمانوں کو کافر نہیں کہتے۔ پھر میں نے کہا کہ ہم کسی کو کافر نہیں کہتے۔ لیکن اگر کوئی خلافِ اسلام عقائد رکھتا ہو تو ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ بعض کفریہ عقائد رکھتا ہے۔ مثلاً مسلمان یہ تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کی کئی آیتیں منسوخ ہیں۔ اب اگر یہ عقیدہ درست ہو تو سارے قرآن کا اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ ہم جس صفحہ کو بھی کھولیں گے ہم کہیں گے کہ معلوم نہیں یہ خدا کا حکم ہے یا منسوخ ہو چکا ہے۔ اب جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں ہم ان کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ ان میں یہ کفریہ عقیدہ آ گیا ہے۔ میں نے یہ مثال دی تو اس نے کہا اِس قسم کے لوگوں کا ذکر چھوڑ یئے وہ تو پکے کافر ہیں۔ میں نے کہا آپ تو انہیں پکا کافر سمجھتے ہیں لیکن ہم انہیں پکا کافر نہیں سمجھتے۔ ہاں یہ کہتے ہیں کہ ایسے لوگ بعض کفریہ عقائد رکھتے ہیں۔ اس سے زیادہ ہمارا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ فرق صرف اتنا

ہے کہ ہم کھل کر بات کر دیتے ہیں اور دوسرے لوگ کھل کر بات نہیں کرتے ورنہ وہ بھی اس قسم کے عقیدہ کو کفریہ عقیدہ ہی سمجھتے ہیں۔ اگر اُس قسم کے بعض کفریہ عقائد کسی کے نزدیک جماعت احمدیہ میں بھی پائے جائیں تو وہ یہی فقرہ اس کے متعلق بھی استعمال کر سکتا ہے۔ اس پر یہ بات اس دوست کی سمجھ میں آ گئی۔ اگر اُسے اِس طرح نہ سمجھایا جاتا تو یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آ سکتی تھی۔ اسی طرح اگر بجائے کسی کو کافر کہنے کے ہم ثابت کر دیں کہ اس میں بعض کفریہ عقائد ہیں تو وہ فوراً مان جائے گا۔ مثلاً بعض لوگ قبروں کو سجدہ کرتے ہیں۔ اگر ہم کہہ دیں کہ تم مشرک ہو گئے ہو تو وہ ناراض ہو جائیں گے۔ لیکن اگر ہم کہیں کہ تم میں یہ شرک والا عقیدہ ہے تو اس پر وہ بُرا نہیں منائے گا۔ بلکہ دوسرے لوگ مثلاً اہل حدیث بھی ہماری تائید کرنے لگ جائیں گے۔ پس ہر زمانہ کے مطابق ایک طریقِ کلام ہوتا ہے۔ اگر اُسی طریق کے مطابق گفتگو کی جائے تو بات دوسروں کی سمجھ میں آ جاتی ہے ورنہ نہیں۔ جیسے اِس زمانہ کی بولی اگر دوسو سال قبل بولی جاتی تو وہ اُس وقت کے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتی تھی۔ اسی طرح پرانے طریق پر بات کی جائے تو دوسرے لوگ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

پس میں علماء کو کہتا ہوں کہ وہ نئے طریقِ کلام کو جاری کریں۔ اور سائنس، اقتصادیات اور سیاسی ترقی کے نتیجہ میں جو وساوس لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گئے ہیں اُن کو مدنظر رکھ کر لٹریچر تیار کریں۔ اور پھر اسے شائع کرا کے لائبریریوں میں رکھوائیں۔ اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کی بعثت کا مقصد پورا ہو سکتا ہے۔ اگر ہم موجودہ وساوس کو دُور نہ کریں اور اِس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے ان کا ازالہ نہ کریں تو ہمارا لٹریچر مفید نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اب زبان بدل چکی ہے۔

حضرت نانا جان اہلِ حدیث خیالات کے تھے۔ ایک دن حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے درسِ حدیث میں یتیموں کی کفالت کا ذکر آ گیا تو آپ کو یہ بات بہت پسند آئی۔ آپ لنگر خانہ میں گئے اور وہاں سے ایک یتیم بچہ کو ساتھ لے لیا اور گھر جا کر اس کی خاطر و مدارت شروع کر دی۔ لیکن وہ لڑکا کسی اَور بولی کا عادی تھا وہ نانا جان کا رویہ دیکھ کر نخرے کرنے لگا۔ ایک دن آپ نے اسے کہا کہ آؤ ناشتہ کر لو۔ وہ کہنے لگا میں ناشتہ نہیں کرتا۔ آپ کہتے یہ چیز لے لو تو وہ کہتا میں یہ چیز

نہیں لیتا۔ آپ نے باری باری ساری چیزیں اُس کے سامنے پیش کیں۔ لیکن وہ یہی کہتا گیا کہ میں نہیں کھاتا۔ حضرت نانا جان جن سے سارے ڈرتے تھے۔ اُس کی منت سماجت کررہے تھے اور کہہ رہے تھے تم یہ چیز کھالو۔ پھر میں تمہیں تمہاری حسبِ خواہش سب چیزیں لادوں گا۔ لیکن وہ انکار پر انکار کررہا تھا۔ ہم دوسرے کمرے میں ہنس رہے تھے کہ کس طرح نانا جان اس یتیم بچے کے سامنے یتیم بنے بیٹھے ہیں۔ جب آپ نے دیکھا کہ وہ کوئی بات نہیں مانتا تو آپ نے جُوتی اُتارلی اور اسے کہا کھاتا ہے یا نہیں کھاتا؟ اس نے کہا میں ابھی کھالیتا ہوں۔ اب وہ بچہ جُوتی کا عادی تھا۔ یتیم تو تھا ہی چچاؤں نے مار کھانے کی عادت ڈال دی تھی۔ اور نانا جان پیار کررہے تھے۔ اس لئے آپ جتنا پیار کرتے تھے وہ سمجھتا تھا کہ میری عزت ہورہی ہے۔ لیکن جب آپ کا پیمانہ صبر کا لبریز ہوگیا تو آپ نے جُوتی اٹھالی اور اس پر وہ فوراً مان گیا۔

پس ہر ایک شخص کی بولی الگ الگ ہے۔ جو لوگ پیار سے ماننے والے ہیں وہ پیار سے ہی مانیں گے سختی سے بگڑ جائیں گے۔ اور جو لوگ سختی سے ماننے والے ہیں وہ سختی سے ہی مانیں گے نرمی سے بگڑ جائیں گے۔ پس لوگوں کی زبانوں میں فرق ہے، لہجوں میں فرق ہے، طریقِ نصیحت میں فرق ہے، اخلاق میں فرق ہے اور ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے دوسروں کو سمجھانا پڑتا ہے۔ جو شخص اس بات کو مدنظر نہیں رکھتا اور علم النفس کا ماہر نہیں ہوتا وہ صحیح مبلغ نہیں بن سکتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مختلف لوگوں سے مختلف طریق سے گفتگو فرماتے تھے۔ عورتوں سے اَور رنگ میں کلام فرماتے، مردوں سے اَور رنگ میں بات کرتے۔ مہاجروں سے اَور رنگ میں گفتگو فرماتے اور انصار سے کلام فرماتے تو آپؐ کا رنگ اَور ہوتا۔ ایک ہی بات کو سننے والوں کی نسبت سے چکّر دے کر بیان فرماتے اور اس رنگ میں کہتے کہ وہ خوبصورت نظر آتی۔ مہاجروں کا ذکر آتا تو آپ فرماتے ہیں جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کی خاطر اپنے وطن چھوڑ دیئے، اپنے مال چھوڑ دیئے ان سے اچھا اَور کون ہوسکتا ہے۔ اور انصار سے گفتگو فرماتے تو آپ اس رنگ میں گفتگو فرماتے کہ جن لوگوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کے لئے محض خدا تعالیٰ کی خاطر اپنے مال پیش کردیئے، اُن پر اپنے گھروں کے دروازے کھول دیئے۔ ان سے اچھا اَور کون ہوسکتا ہے۔ اس طرح دونوں فریق خوش ہوتے اور اپنی اپنی جگہ قربانی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے۔

پس مبلغین اور دوسرے علماء کا کام ہے کہ وہ اس قسم کا لٹریچر تیار کریں جس کی اِس زمانہ میں ضرورت ہے۔ وہ اُس طرز پر تصنیف نہ کریں جس طرز پر پچھلے علماء تصنیف کرتے چلے آئے ہیں۔ اگر تم نماز کی صرف رکعات اور سجدے بیان کرتے ہو تو یورپ والوں کی سمجھ میں تمہاری بات نہیں آسکتی۔ لیکن اگر تم اِس طرز سے یہ بات پیش کرو کہ نماز سے تمہارے اخلاق، احساسات اور جذبات پر یہ اثر پڑتا ہے تو یورپ والوں کی سمجھ میں یہ بات آ جائے گی اور وہ تمہاری بات سننے کے لئے تیار ہو جائیں گے کیونکہ وہ علم النفس کو سمجھتے ہیں۔ کوئی زمانہ تھا جب یہ کہا جاتا تھا کہ خدا تعالیٰ کہتا ہے نماز پڑھو تو لوگ بات مان لیتے تھے۔ لیکن اب اگر کہا جائے کہ خدا تعالیٰ کہتا ہے نماز پڑھو تو لوگ کہیں گے خدا تعالیٰ کو نماز کی کیا ضرورت ہے۔ ہر ایک زمانہ کی زبان الگ الگ ہوتی ہے اور اپنی بات سمجھانے کے لئے اُس زبان میں بات کرنی پڑتی ہے جسے لوگ سمجھتے ہوں۔

ایک بزرگ نے اپنے پاس بیٹھنے والوں سے دریافت کیا کہ جنت کیوں اچھی ہے؟ تو کسی نے کہا اس میں بڑی بڑی نعماء ملیں گی اس لئے وہ اچھی ہے۔ کسی نے کہا جنت میں مومن کو دائمی زندگی ملے گی اس لئے وہ اچھی ہے۔ غرض ہر ایک نے کوئی نہ کوئی وجہ بیان کر دی۔ اس بزرگ نے کہا میرے لئے دوزخ اور جنت دونوں برابر ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ مجھے دوزخ میں ڈالتا ہے تو میرے نزدیک دوزخ اچھی ہے۔ اور اگر خدا تعالیٰ مجھے جنت میں ڈالتا ہے تو میرے نزدیک جنت اچھی ہے۔ یہ ایک عشقیہ رنگ تھا جو آجکل نہیں چلتا۔ اب اگر کہیں کہ مومن کو جنت ملے گی تو لوگ کہتے ہیں جنت کہاں ہے؟ کس جگہ ہے؟ خدا تعالیٰ نے جنت کیوں بنائی ہے؟۔

غرض اس زمانہ میں پرانے جوابات سے لوگ مطمئن نہیں ہوتے۔ صرف یہ کہہ دینا کہ خدا تعالیٰ خوش ہوگا لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے کافی نہیں۔ تصوّف آئے گا تو یہ باتیں لوگ مان لیں گے اس سے پہلے نہیں۔ کسی زمانہ میں اگر یہ کہا جاتا تھا کہ خدا تعالیٰ ہمیں دوزخ میں بھی ڈال دے تو ہم اِس پر راضی ہیں تو جسم پر جذبہ ایمان سے کپکپی آ جاتی تھی۔ لیکن اب یورپ والے اس بات پر ہنس پڑتے ہیں۔ ہاں وہ مادی زبان اور علم النفس کی بات کو فوراً مان جاتے ہیں۔ باقی باتوں کے ماننے کے لئے وہ تیار نہیں ہوتے۔ اس لئے قرآن کریم نے دونوں قسم کی باتوں کو لیا ہے۔ اس نے عشقیہ رنگ کو بھی لیا ہے۔ جیسے فرمایا ہے اے رسول! جس نے تیرے ہاتھ پر ہاتھ

رکھا اس نے گویا میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھا3 اور علم النفس کو بھی لیا ہے کہ فرمایا ہم جو حکم دیتے ہیں وہ تمہارے فائدے کے لئے دیتے ہیں۔ ہمیں اپنا کوئی فائدہ مدنظر نہیں ہوتا4۔ اس طرح بعض جگہوں پر آمرانہ طرزِ عمل بھی اختیار کیا گیا ہے۔ پس ہر زمانہ میں الگ الگ زبان ہوتی ہے۔ آمریت اور جمہوریت دونوں باتیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔ لیکن ایک وقت میں ایک قوم کے سامنے ایک ہی بات پر زور دیا جاسکتا ہے۔ دونوں پر نہیں۔ پس تم اس رنگ میں لٹریچر تیار کرو۔

پھر جب لٹریچر تیار ہو جائے تو جماعت کا فرض ہے کہ وہ اس لٹریچر کو پھیلائے۔ اگر جماعت لٹریچر کو پھیلائے گی نہیں تو تمام کوششیں بیکار رہ جائیں گی۔ اس لئے میں نے کہا ہے کہ جماعت ہر جگہ پر لائبریری قائم کرے۔ چھوٹی چھوٹی جماعتیں بھی لائبریریاں قائم کرسکتی ہیں۔ بلکہ اَن پڑھ لوگ بھی کتابوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ جالندھر کے ایک احمدی تھے۔ وہ اکّا چلایا کرتے تھے۔ (اُن دنوں جالندھر کے ایک حصہ میں ریل جاری نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے لوگ اِکّوں پر سفر کیا کرتے تھے)۔ اُن کے ذریعہ درجنوں آدمی احمدی ہوئے تھے۔ وہ خود تو پڑھے ہوئے نہیں تھے لیکن وہ الحکم اور سلسلہ کی کتابیں منگوایا کرتے تھے۔ اُن کا طریق تھا کہ اپنے پاس کوئی کتاب رکھ لیتے۔ اور جونہی گھوڑے کی باگیں پکڑتے کتاب نکال کر کسی سواری کو دے دیتے اور کہتے کسی نے یہ کتاب مجھے بھیجی ہے۔ میں اَن پڑھ ہوں آپ سنا دیں تو مجھے معلوم ہو جائے کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ اب خالی بیٹھے ہوئے کو بھی کوئی شُغل چاہیے وہ بڑی خوشی سے سنانے لگ جاتا۔ وہ سمجھ رہا ہوتا تھا کہ میں اِکّے والے کو اخبار یا کتاب سنا رہا ہوں۔ اور اِکّا والا سمجھتا تھا کہ میں اسے کتاب پڑھوا رہا ہوں۔ کئی لوگ دلچسپی لینے لگ جاتے اور پوچھتے یہ کتاب کہاں سے ملتی ہے؟ یا یہ اخبار کہاں سے نکلتا ہے؟ میں بھی منگوانا چاہتا ہوں۔ تو وہ دوست کہتے میرے پاس اَور بھی کئی کتابیں اور رسالے ہیں آپ مجھ سے ہی لے لیں۔ اِس طرح اُن کے ذریعہ درجنوں لوگ احمدی ہوئے۔

پس جہاں کوئی پڑھا ہوا آدمی نہیں وہاں بھی لائبریری قائم کی جاسکتی ہے۔ اپنے پاس کتاب رکھو اور اگر کوئی رشتہ دار یا کوئی اَور تعلیم یافتہ آدمی آجائے تو اُسے کہو اس کتاب کا کچھ حصہ

سنا دو۔ اس طرح فائدہ زیادہ ہوتا ہے۔ پڑھنے والا محسوس کرتا ہے کہ میں اسے کتاب سنا رہا ہوں اور اس طرح وہ خود بھی استفادہ کرتا ہے۔ اس ترکیب سے آسانی سے دوسروں تک حق پہنچایا جا سکتا ہے۔ قبولیت کا سوال الگ ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو آزاد بنایا ہے۔ اُسے مجبور کرنے کا ہمیں حق حاصل نہیں۔ اگر سچائی سن لینے کے بعد کوئی ہمیں جھوٹا سمجھتا ہے تو یہ اُس کا حق ہے وہ ایسا کر سکتا ہے۔ لیکن حق کو جاننے کے بغیر کوئی ہمیں جھوٹا کہے تو اُس کی غلط فہمی کا ازالہ کرنا ہمارے لئے ضروری ہے۔ ورنہ ہم خدا تعالیٰ کے سامنے مجرم ہوں گے۔ لیکن بات سمجھا دینے کے باوجود کوئی ہمیں جھوٹا کہے تو کوئی حرج نہیں۔ وہ ہمیں جھوٹا کہنے کے باوجود ہمارا بھائی ہے۔ وہ اپنے عقیدہ پر عمل کرتا ہے اور ہم اپنے عقائد کے مطابق چلتے ہیں۔"

خطبہ ثانیہ کے بعد فرمایا

"نماز کے بعد میں کچھ جنازے پڑھاؤں گا۔

1۔ والد صاحب میجر محمد حیات صاحب تونسہ

2۔ آفتاب جہاں بیگم صاحبہ لالوکھیت کراچی جنازہ میں بہت کم آدمی شریک ہوئے۔

3۔ قریشی محمد جان صاحب امرتسری اوکاڑہ ضلع منٹگمری۔ جوانی کے زمانہ سے میں انہیں جانتا ہوں مخلص احمدی تھے۔

4۔ والدہ صاحبہ شرف دین صاحب راجن پور ضلع ڈیرہ غازی خان۔ تحصیل چشتیاں بہاولپور میں فوت ہوئی ہیں۔ بیٹوں میں سے کوئی بھی جنازہ میں شامل ہونے کے لئے نہ پہنچ سکا۔

5۔ چودھری عبدالرحمٰن صاحب قادیان کے رہنے والے تھے۔ ہمارے خاندان میں نمبرداری تھی مرزا عزیز احمد صاحب نے انہیں سربراہ بنایا ہوا تھا۔

6۔ سلطان بی بی صاحبہ زوجہ چودھری غلام نبی صاحب دیہہ 151 تعلقہ ڈگری سندھ۔ تمام متعلقین غیر احمدی ہیں۔ جنازہ میں صرف چند احمدی شریک ہوئے۔

7۔ روشن بی بی صاحبہ والدہ نظام دین صاحب چک جمال ضلع جہلم۔ نماز جنازہ میں بہت کم دوست شامل ہوئے۔

8۔ امۃ القیوم صاحبہ اہلیہ ملک عبدالقادر صاحب نمک فروش لائلپور۔ مرحومہ کی خواہش تھی کہ ان کا جنازہ میں پڑھاؤں۔

9۔ منشی محمد امام دین صاحب سکنہ پکّا گڑھا ضلع سیالکوٹ۔ پرانے صحابی تھے۔

10۔ رحمت الٰہی صاحب ولد فضل الٰہی صاحب وڈالہ سندھواں ضلع سیالکوٹ۔ گاؤں میں بہت کم احمدی ہیں۔ اور جو احمدی ہیں وہ بھی جنازہ میں شریک نہیں ہو سکے۔

11۔ سعید اللہ خان صاحب پسر نصر اللہ خان صاحب مدرّس تولیکی ضلع گوجرانوالہ۔ صرف تین چار دوست جنازہ میں شریک ہوئے۔ باقی سارا گاؤں غیر احمدی ہے۔

12۔ کمال دین صاحب ولد عبدالرحمٰن صاحب ٹھٹھہ کالو چک 646 گ۔ب ڈاکخانہ لنڈیاں والا ضلع لائلپور۔

13۔ ناصرہ بیگم صاحبہ بنت ڈاکٹر محمد دین صاحب آف کوٹلی۔ جنازہ میں بہت کم دوست شریک ہوئے۔

14۔ مسٹر سلیمانی کیشوزی دارالسلام مشرقی افریقہ۔ علاقہ میں کوئی احمدی نہ ہونے کی وجہ سے جنازہ نہیں پڑھا جاسکا۔

15۔ چودھری نور احمد صاحب چیمہ ساکن داتا زید کا ضلع سیالکوٹ۔ موصی اور صحابی تھے۔

16۔ والدہ صاحبہ محمد عین الحق صاحب بھاگلپوری۔ جنازہ میں بہت کم دوست شریک ہوئے۔

17۔ سیدہ فاطمہ والدہ مولوی ابوالخیر محبّ اللہ۔ نام کے سامنے لکھا گیا ہے کہ مرحومہ صحابیہ تھیں۔ لیکن میرے علم میں وہ صحابیہ نہیں تھیں۔ ان کے لڑکے مولوی ابوالخیر محبّ اللہ پندرہ سولہ سال ہوئے احمدی ہوئے۔ بہرحال مرحومہ دُور کی رہنے والی ہیں اور ان کا لڑکا سلسلہ کا مبلغ ہے اس لئے میں ان کا جنازہ پڑھاؤں گا۔"

(الفضل 17 فروری 1955ء)

1: اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۙ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا (الزلزال:3,2)

2: وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ (التکویر:12)

3: اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (الفتح:11)

4: وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (العنکبوت:7)